عِلمِ بیان

تحریر وتقریر کی خوبیوں کے ذکر اوران کی بحث کو علمِ بیان کہتے ہیں۔ اگر ہمارے طالب علم چاہتے ہیں کہ انھیں اردو زبان پر عبور حاصل ہو تو اس کے لیے انھیں علمِ بیان میں کسی قدر مہارت حاصل کرنا ہوگی تا کہ وہ اپنی تحریر وتقریر کو اہلِ زبان کی گفت گو کے مطابق کئی طریقوں سے بیان کرنے کے قابل ہو جائیں۔ علمِ بیان کی چار قسمیں ہیں:

❁ تشبیہ ❁ اِستعارہ ❁ مجازِ مرسل ❁ کنایہ

(۱) تشبیہ

جب کسی چیز کو کسی مشترکہ صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورتِ حال کو مزید پُر تاثیر اور کیف آور بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے تو اسے علمِ بیان کی اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اسے مشبّہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اسے مشبّہ بہ، وہ صِفَت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے وجہ شبہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشبّہ اور مشبّہ بہ کو ملاتا ہے، اسے حرفِ تشبیہ کہتے ہیں۔ اس طرح تشبیہ کے چار ارکان ہوئے:

مشبّہ مشبّہ بہ وجہ شبہ حرفِ تشبیہ

مثلاً: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس مثال میں ارکانِ تشبیہ اس طرح ہوں گے:

مشبّہ	مشبّہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ
کاغذ	دودھ	سفید	کی طرح

محاورے اور ضرب الامثال کی طرح تشبیہ کو بھی زبان کا زیور سمجھا جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ تشبیہات دیکھیے:

پتھر کی طرح سخت، چٹان کے مانند مضبوط، شہد جیسا میٹھا، شیر کی طرح بہادر، ریشم کی مثل نرم، دن کی طرح روشن، رات کی طرح تاریک، تلوار کی طرح تیز، خون کی طرح سرخ، کوئلے کی طرح سیاہ، برف کی طرح ٹھنڈا، تیر کی طرح سیدھا، سمندر کی طرح گہرا وغیرہ۔

طرفینِ تشبیہ: مشبّہ اور مشبّہ بہ کو طرفینِ تشبیہ کہا جاتا ہے۔

(۲) استعارہ

(۱) کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

(۲) ماں کہتی ہے: میرا چاند آیا۔

پہلی مثال میں جرأت و ہمّت کے باعث حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیر کہا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔ اسی طرح دوسری مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا لفظ استعمال نہیں کرتی۔ یہ دونوں مثالیں استعارہ کی ہیں۔

استعارہ کے لغوی معنی عاریتاً یا ادھار لینا کے ہیں مگر اصطلاح میں جب ہم کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں:

(۱) مستعارلہٗ (جس کے لیے استعارہ کیا جائے)

(۲) مستعارمِنہٗ (جس سے استعارہ لیا جائے)

(۳) وجہِ جامع (مستعارلہٗ اور مستعارمِنہٗ میں مشترک صِفَت)

استعارے میں مستعارلہٗ کا ذکر نہیں ہوتا، یہ اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح مستعارلہٗ اور مستعارمِنہٗ میں مشترک صفت کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مثلاً دوسری مثال میں:

بیٹا	مستعارلہٗ	(ذکر نہیں ہے)
چاند	مستعارمِنہٗ	
خوب صورتی	وجہِ جامع	(ذکر نہیں ہے)

استعارے کی یہ خوب صورت مثال ملاحظہ کیجیے:

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک اُس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

(۳) مجازِ مرسل

یہ علمِ بیان کی تیسری قسم ہے۔ استعارہ کے انداز میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ ان دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجازِ مرسل کہا جاتا ہے۔ اہلِ زبان نے اس کی چوبیس صورتیں گنوائی ہیں۔ ان میں سے چند ایک اہم صورتیں یہاں مثالوں کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

(۱) آپ ''الحمد'' سنائیں۔ (جُزو سے کل مراد لینا)

(۲) میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ (کل سے جُز ومراد لینا)

(۳) ایک گلاس پی لو۔ (ظرف سے مظروف مراد لینا)

(۴) پانی لے آؤ۔ (مظروف سے ظرف مراد لینا)

(۵) بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی۔ (سبب بول کر مسبّب مراد لینا)

(۶) میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں۔ (مسبّب بول کر سبب مراد لینا)

پہلے جملے میں ''الحمد'' کہہ کر پوری سورۂ فاتحہ مراد لی گئی ہے۔ یعنی جُز و کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں ''میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں'' چوں کہ کانوں کے اندر انگلی کا کچھ حصّہ ہی جا سکتا ہے اس لیے کل کہہ کر جُز و مراد لیا گیا ہے۔ تیسرے جملے میں ''گلاس'' سے مراد پانی ہے جو گلاس کے اندر موجود ہے یعنی ظرف کہہ کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ چوتھے جملے میں ''پانی'' سے مراد وہ برتن ہے جس کے اندر پانی ہے یعنی مظروف کہہ کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ پانچویں جملے: ''بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی'' میں اورنگ زیب عالمگیر سبب ہے مسجد تو معماروں نے بنائی ہے، چناں چہ سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح چھٹے جملے: ''میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں'' میں آٹا مسبّب (نتیجہ) ہے۔ گندم پسوائی جاتی ہے۔ اس لیے مسبّب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

(۳) کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ یا چھپی ہوئی بات کے ہیں۔ مگر علمِ بیان کی اصطلاح میں کنایہ ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہوں۔ جیسے: خاک بسر ہونا سے کچھ نہ رہنا مراد ہے۔ اسی طرح ''اس گھر کا دروازہ کھلا رہتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر میں سخی انسان رہتا ہے۔

کنایہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک کنایۂ قریب اور ایک کنایۂ بعید ہے۔ کنایۂ قریب تو تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد جلد ہی سمجھ میں آ جاتا ہے مگر کنایۂ بعید غور و فکر کے بعد ہی ذہن میں آتا ہے۔ کنایہ کی یہ دو مثالیں مزید ملاحظہ کریں:

(۱) اسلم شترِ بے مہار ہے۔ (۲) امجد پیٹ کا ہلکا ہے۔

پہلی مثال میں شترِ بے مہار کے اصل معنی ہیں وہ اونٹ جس کی نکیل نہ ہو اور وہ بلبلاتا پھرتا ہو۔ کنایہ یہ ہے کہ بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ دوسری مثال میں پیٹ کا ہلکا کے اصلی معنی ہیں ہلکے پیٹ والا آدمی، جس کے پیٹ میں کوئی چیز نہ ٹھہرے مگر یہ کنایہ ہے کہ وہ راز کی بات جلد اگل دینے والا ہے۔ اس طرح کنایہ علمِ بیان کی بہت اچھی صورت ہے جس سے تحریر و تقریر میں لطف پیدا ہوتا ہے۔